وضاحت مسئلہ رفع الیدین

اور

قرات خلف الامام کا مسئلہ

مصنف :

مکرم محی الدین حسامی قاسمی صاحب

النعمان سوشل میڈیا سروسز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وضاحت مسئلہ رفع یدین

مؤلف

مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی

استاذ دار العلوم حیدرآباد

باہتمام

محترم جناب محمد حبیب الدین صاحب

(سابق لکچرر جامعۃ الملک عبدالعزیز جدہ- حال مقیم امریکہ)

نام کتاب	:	وضاحت مسئلہ رفع یدین
مؤلف	:	مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی
		استاذ دارالعلوم حیدرآباد
فون نمبر	:	9704095041
باہتمام	:	جناب محمد حبیب الدین صاحب
		سابق لکچرر جامعۃ الملک عبدالعزیز جدہ
سن اشاعت	:	۱۴۳۴ھ م ۲۰۱۳ء
تعداد صفحات	:	۲۱
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
کمپیوٹر وکمپوزنگ	:	حافظ محمد عبدالمقتدر عمران

ملنے کے پتے

۱۔ہدی بک ڈسٹری بیوٹرس پرانی حویلی حیدرآباد فون:040-24514892

۲۔جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد جامعہ نگر شیورام پلی فون:040-24016479

۳۔محمد مکرم محی الدین مغلپورہ فون:9704095041

فہرست مضامین

ابتدائیہ

محترم جناب حبیب الدین صاحب (مقیم امریکہ) ایک علمی ذوق رکھنے والی شخصیت ہے، عبادات سے متعلق فقہی مسائل ودلائل پر وہ اچھی نظر رکھتے ہیں،

اور اس معاملہ میں سلیم الفکر طبیعت کے حامل ہیں، اکابر علماء کی تحقیقات جو اردو زباں میں موجود ہیں، ان سے خوب استفادہ کرتے ہیں، موصوف نے اپنے مقامی ماحول اور موجودہ فکری لہر کا اندازہ کرتے ہوئے مسئلہ رفع الیدین سے متعلق اردو کتابوں سے مواد اکٹھا کیا تھا، جس میں دلائل کے ساتھ ساتھ موجودہ نفسیات کا بھی لحاظ رکھا گیا تھا، یہ موضوع اگر چہ کوئی نیا نہیں تھا مگر اس کی پیش کش ایک خاص انداز سے کی گئی تھی، بندہ نے اس مواد کو سامنے رکھتے ہوئے بہت سارے مفید اضافے کئے، زبان وبیان کو تبدیل کیا اور ترتیب وتالیف کا کام کیا، عربی کتابوں سے حوالہ جات اکٹھا کئے، اس طرح یہ رسالہ اس موضوع پر قابل استفادہ ہوگیا، احقر کے لئے یہ بات باعث سعادت واطمینان ہے کہ اس رسالہ پر معروف علمی ودینی شخصیت فقیہ العصر حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی مدظلہم نے نظر ثانی فرمائی اور چند چیزوں کی جانب نشاندہی فرمائی، الحمد للہ حتی الوسع ان کو درست کرنے کی سعی کی گئی، اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ وہ اپنی بارگاہ میں اس رسالہ کو قبول فرمائے اور اس کے ذریعہ غلط فہمیوں کا ازالہ فرمائے اور بندہ اور اس کے جملہ بزرگوں اور جناب حبیب الدین صاحب کے حق میں ذخیرہ آخرت بنائے! آمین

فقط والسلام

مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی

۱۹/ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ

۲۴/اکتوبر ۲۰۱۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفى اما بعد:

مسئلہ رفع یدین یعنی نماز میں رکوع وسجدہ میں جاتے ہوئے دونوں ہاتھ کا اٹھانا، موجودہ ماحول میں دینی وعلمی؛ بلکہ عوامی حلقوں کا بھی ایک جانا پہچانا مسئلہ ہے، بعض گوشوں سے اس میں ضرورت سے زیادہ شدت ہوتی جارہی ہے، حالانکہ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس پر نماز کا صحیح ہونا موقوف ہو۔

رفع یدین سے متعلق دواہم بحثیں

رفع یدین کے بارے میں عموماً دوطرح کی بحث وتحقیق کی جاتی ہے:

ا۔نماز میں ہاتھ کو کہاں تک اٹھایا جائے، کانوں تک یا کندھوں تک؟

زیرنظر رسالہ میں اس پر گفتگو نہیں کی گئی ہے؛ کیوں کہ یہ کوئی شدید اختلافی مسئلہ نہیں ہے؛ بلکہ علامہ نووی شافعیؒ اور محقق ابن ہمام حنفیؒ کا خیال اس سلسلہ میں یہ ہے کہ یہ محض تعبیر اور انداز بیان کا اختلاف ہے، واقعہ یہ ہے کہ ہاتھ اس طرح اٹھانے چاہئے کہ پہنچے یا ہتھیلیاں، کندھوں کے برابر میں ہوں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے مقابل میں ہوں، اس لحاظ سے یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ ہاتھ کندھوں تک اٹھائے گئے جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ ہاتھ کانوں تک اٹھائے گئے جیسا کہ بعض احادیث میں مذکور ہے۔(ابو داؤد : باب رفع اليدين في الصلاة: ۷۲۴.نووی شرح مسلم ۲/ ۱۱۹. باب استحباب رفع اليدين حذو المنكبين . فتح القدير ۱/ ۲۸۲باب صفة الصلاة)

۲۔نماز میں ہاتھوں کو کب کب اٹھایا جائے؟

تکبیر تحریمہ کے موقع پر رفع یدین تو ایک اتفاقی مسئلہ ہے، تقریباً پچاس صحابہ سے اس سلسلہ کی روایات ثابت ہیں۔(طرح التثريب في شرح التقريب ۲/ ۲۵۴. باب رفع اليدين)

تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے، رکوع سے اٹھتے اور دیگر اوقات میں بھی آیا رفع یدین کرنا چاہئے یا نہیں؟ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے اور دورِ صحابہ ہی سے اس میں اختلاف چلا آرہا ہے۔

رفع یدین کی فقہی حیثیت

آغاز بحث سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ رفع یدین کوئی ایسا عمل نہیں ہے جو نماز کے ارکان وفرائض میں سے کوئی رکن یا فرض ہو، علامہ نووی شافعیؒ نے صاف کہہ دیا ہے کہ یہ سنت اور مستحب درجہ کا عمل ہے، جس کے ترک کرنے سے سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہوتا۔ (**المجموع شرح المهذب : مسائل منثورة تتعلق بالرفع ۳/ ۳۰۹**) اس کے باوجود اس کو سنت متواترہ قرار دینا اور اس کے نہ کرنے والوں کی نماز کو ناقص ٹھرانا کس قدر جرأت وجسارت کی بات ہے!

ہم احناف رفع یدین کے قائل نہیں ہیں؛ مگر اس کے کرنے والوں کے خلاف بھی نہیں، رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، فرق اتنا ہے کہ احناف رفع یدین نہ کرنے کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل سمجھتے ہیں اور دیگر حضرات کا خیال یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دو تین جگہ اور، رفع یدین ہے، دلائل ہر دو کے پاس ہیں، ضرورت ایک دوسرے کو برداشت کرنے اور علمی وسعت ظرفی کے مظاہرہ کرنے کی ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رفع یدین نہ کرنے کے ناقل ہیں، امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے اس کو لیا ہے، اس کے برخلاف حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بعض روایات میں رفع یدین کرنا منقول ہے، امام شافعیؒ وغیرہ نے اس کو اختیار کیا ہے، اب کیا یہ تصور ہوسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نماز کو غلط قرار دیں یا امام شافعیؒ امام ابوحنیفہؒ کے موقف کو باطل ٹھرائیں، امام شافعیؒ تو امام مالکؒ کے براہِ راست شاگرد ہیں اور امام محمدؒ سے بھی ــ جو امام ابوحنیفہؒ کے نامور شاگرد ہیں ــ انہوں نے کسب فیض کیا ہے، امام ابوحنیفہؒ کو وہ فقہ کے میدان میں نہ صرف پیشوا؛ بلکہ تمام علماء کو اس میدان میں امام صاحب کا محتاج سمجھتے ہیں۔ (**تذكرة الحفاظ ۱/ ۴۸ اتذکرہ ابوحنیفة الامام الاعظم**)

دنیا میں فقہ اور احکام شرع انہی نامور ائمہ کے ذریعہ پھیلے، جس خطہ کے لوگوں کے پاس، جس امام کے

واسطہ سے فقہ وشریعت پہنچی، وہی طریقے وہاں پر رائج ہوگئے، مثال کے طور پر مصر وخراسان (انڈونیشیا) میں شافعی علماء کرام کی کثرت تھی، اس لئے فقہ شافعیؒ وہاں رائج ہوگیا، (**تاریخ ابن خلدون الفصل السابع فی علم الفقه ۱/ ۵۶۷**) افریقہ اور بلادِ مغرب میں مالکی فقہ کو قبول عام حاصل ہوا، (**تاریخ ابن خلدون ۱/ ۵۶۸-۵۶۹**) برصغیر ہندوپاک اور روس وترکی کے علاقوں میں فقہ حنفی کو اختیار کیا گیا، ان ممالک میں نماز کے طریقے بھی انہی مکاتب فقہ کے مطابق جاری ہوگئے۔

ایسے ماحول میں کوئی حنفی، انڈونیشیا یا افریقہ کے ممالک میں فقہ حنفی کی تبلیغ کرے اور فقہ شافعی، و مالکی کی تردید کرنا شروع کردے تو کیا اسے دین کی خدمت کہا جائے گا یا یہ حرکت، شرارت وفساد کہلائے گی؟ بالکل اسی طرح اگر کوئی شافعی یا مالکی ان علاقوں میں جہاں فقہ حنفی کا سکہ چلتا ہے، یہ ڈھنڈورا پیٹنے لگے کہ فقہ حنفی، ایک باطل مکتب فکر کا نام ہے اور حنفیوں کی نماز خلاف سنت وخلاف شریعت ہے، آیا ایسے ناعاقبت اندیش اور حکمت سے محروم شخص کو ایک سمجھدار انسان بھی کہا جا سکتا ہے؟

رفع یدین نہ کرنے کے دلائل

ترک رفع یدین کے راوی عبداللہ بن مسعودؓ کا علمی مقام

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ نہایت قریبی اور ہمہ وقتی خادم تھے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین بردار کے لقب سے معروف تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیہ اور مسواک پیش فرمانے کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ (**الاصابة فی تمییز الصحابة ۴/ ۲۰۰ تذکرہ عبد اللہ بن مسعودؓ**) سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعلق سے ارشاد فرمایا: میں نے اپنی امت کے لئے وہ پسند کیا جسے عبداللہ بن مسعودؓ نے پسند کیا ہے اور میں نے اپنی امت کے لئے وہ بات ناپسند کی جسے عبداللہ بن مسعودؓ نے ناپسند کی ہے۔ (**مجمع الزوائد ۹/ ۲۹۰ باب ما جاء فی عبد الله بن مسعودؓ**)

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ عبداللہ بن مسعودؓ علم سے بھرا ہوا برتن ہے۔ (**حلیة الاولیاء ۱/ ۲۹ اتذکرہ عبد الله بن مسعودؓ**)

حضرت حذیفہؓ کا فرمان ہے: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ: عادات واطوار واخلاق میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔(طبقات ابن سعد عبد الله بن مسعودؓ ۳/۱۱۴)

پہلی حدیث: یہ عظیم الشان صحابی رسول اپنے شاگردوں سے کہتے ہیں: کیا میں تم لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نماز پڑھاؤں؟ یہ کہہ کر نماز پڑھائی اور صرف پہلی بار (آغاز نماز میں) رفع یدین کیا۔ (ترمذی : باب ماجاء ان النبی صلی الله علیه وسلم لم یرفع الا فی اول مرة : ۲۵۷۔امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن اور علامہ ناصر الدین البانی نے صحیح قرار دیا ہے)

دوسری حدیث: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آغاز نماز کے لئے تکبیر کہتے تو ہاتھ اٹھاتے پھر دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھاتے۔(ابو داؤد : باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع : ۷۵)

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے علامہ ابن الترکمانیؒ اور دیگر ماہرین اسماء الرجال کے حوالوں سے اس کی سند پر عالمانہ بحث کر کے اسے حسن قرار دیا ہے،(اعلاء السنن ۳/۸۵باب ترک رفع الیدین فی غیر الافتتاح . الجوهر النقی : باب من لم یذکر الرفع الا عند الافتتاح)

تیسری حدیث: حضرت علقمہؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ وعمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی، یہ حضرات صرف آغاز نماز میں رفع یدین کیا کرتے تھے(السنن الکبری للبیهقی : باب من لم یذکر الرفع الا عند الافتتاح : ۲۶۳۶ .مسند ابو یعلی مسند عبد الله بن مسعودؓ: ۵۰۳۹)اس کی سند میں محمد بن جابر ہیں جس کو امام دارقطنیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے مگر اسحاق بن ابی اسرائیل (جن کو امام دارقطنی نے ثقہ تسلیم کیا ہے میـــزان الاعتدال : اسحاق بن ابراهیم ۱/۱۸۲)نے محمد بن جابر کو بہت سے ثقہ اوران سے اعلی درجہ کے محدثین پر فوقیت دی ہے، پھر کبار محدثین مثلاً ایوب، ابن عون، ھشام بن حسان، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، شعبہ وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں، اگر محمد بن جابر ضعیف درجہ کے راوی ہوتے تو یہ نامور ائمہ جرح وتعدیل ان سے روایت نہ کرتے، معلوم ہوا کہ یہ حدیث جید ہے۔(الجوهر النقی : باب من لم یذکر الرفع الا عند

الافتتاح ۲/۷۸)

چوتھی حدیث: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (شریعت میں) رفع یدین سات مقامات میں ہے:

ا۔نماز شروع کرتے وقت ۲۔ بیت اللہ کے استقبال کے موقع پر ۳۔صفا پر ۴۔مروہ پر ۵۔عرفہ میں ۶۔مزدلفہ میں ۷۔جمرۂ اولی و وسطی کے پاس۔(المعجم الکبیر : مقسم عن ابن عباسؓ : ۱۲۰۷۲ طحاوی : باب رفع الیدین عند رؤیۃ البیت : ۳۸۲۱)علامہ عینیؒ نے اس حدیث کو مقبول قرار دیا ہے۔(شرح ابی داؤد للعینی ۲۹۹/۳ باب فی رفع الیدین)

قابل غور بات اس حدیث میں یہ ہے کہ سات مقامات میں تکبیر تحریمہ کے وقت تو رفع یدین کا تذکرہ موجود ہے؛ لیکن رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کا کوئی ذکر نہیں۔

پانچویں حدیث: امام بخاریؒ کے استاذ حضرت حمیدیؒ، امام زہریؒ سے اور زہری سالم بن عبداللہؒ سے اور وہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے تو مونڈھوں تک اپنے ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع میں جانا چاہتے اور رکوع کے بعد سر اٹھاتے تو رفع یدین نہ کرتے اور نہ سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے۔(مسند حمیدی : ۶۱۴ مسند عبد اللہ بن عمرؓ)حمیدیؒ تو استاذ بخاری ہیں، ان کی سند سے بخاری میں بےشمار روایات ہیں ،حمیدیؒ سے اوپر والی پوری سند محدثین کے یہاں صحیح ترین سند اور سنہری زنجیر کہلاتی ہے۔(شرح نخبۃ الفکر للقاری ۲۶۴/۱. الناشر دار الارقم .لبنان)

رفع یدین کی روایات اور ان پر بحث

رفع یدین کے قائلین کا سب سے بڑا استدلال حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے ہے کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کھڑے ہوتے تو کندھوں تک اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت رکوع کے لئے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے اپنے سر کو اٹھاتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے۔(بخاری : باب رفع الیدین اذا کبر و اذا رکع: ۷۳۶)

جہاں تک اس حدیث کے ثبوت کا تعلق ہے ہم اس کے منکر نہیں، بلا شبہ یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح اور اس کی سند سنہری زنجیر ہے، لیکن اس کے باوجود افضلیت کے قول کے لئے حنفیہ نے اس حدیث کو اس لئے ترجیح نہیں دی کہ رفع یدین کے مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایات اتنی متعارض ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا مشکل ہے۔

۱۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نماز پڑھی تو اپنی نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ کہیں رفع یدین نہیں کیا۔(طحاوی : باب التکبیر للرکوع: ۱۲۵۵)۔ یہ حدیث صحیح درجہ کی ہے۔(البنایۃ ۲/۲۵۹ شرح ابی داؤد للعینی : باب فی رفع الیدین ۳/۳۰۵)

۲۔ بعض روایات میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نقل کیا کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔(موطا امام مالک : باب افتتاح الصلاۃ : ۱۶۸ - موطا مالک کی تمام روایات صحیح ہیں. حجۃ اللہ البالغہ ۱/۲۳۱. باب طبقات کتب الحدیث)

۳۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کھڑے ہوتے تو کندھوں تک اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے، رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرمایا کرتے تھے۔(بخاری : باب رفع الیدین اذا کبر و اذا رکع: ۷۳۶)

۴۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے، جب رکوع میں جاتے تو رفع یدین کرتے جب رکوع سے اٹھتے تو رفع یدین کرتے اور جب دوسری رکعت سے (قعدۂ اولی سے) کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے ۔(بخاری : باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین : ۷۳۹)

۵۔ بعض روایات میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں جاتے وقت بھی رفع یدین فرمایا کرتے تھے۔(الاوسط للطبرانی اوسط : ۱۶ حدیث من اسمہ احمد)۔علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں:اس کی سند صحیح ہے۔(مجمع الزوائد : باب رفع الیدین فی الصلاۃ : ۲۵۹۰)

۶۔امام طحاویؒ کی مشکل الآثار میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جھکتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے، رکوع، سجدہ، قیام اور سجدوں کے درمیان بھی رفع یدین کیا کرتے تھے اور اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل قرار دیتے تھے۔(شرح مشکل الآثار : ۵۸۳۱ باب بیان مشکل ما روی عن عبد اللہ بن عمر فی ھذا المعنی ای فی رفع الایدی فی التکبیر لافتتاح الصلاۃ و فیما سوی ذلک)

ان روایات کو ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رفع یدین کے بارے میں چھ طریقے منقول ہیں، امام شافعیؒ نے ان روایات میں سے چوتھی روایت پر عمل کرتے ہوئے صرف ایک طریقے کو اختیار کیا ہے اور باقی کو چھوڑ دیا ہے، جبکہ دوسری روایات بھی قابل استدلال ہیں اور صحیح یا کم از کم حسن اسانید سے ثابت ہیں؛لہذا اگر حنفیہ نے ان میں سے پہلی قسم کی روایت کو اختیار کرتے ہوئے کسی ایک طریقہ کو اپنایا ہے تو صرف انہی پر اعتراض کیوں؟ جبکہ حنفیہ کے پاس پہلی روایت کو اختیار کرنے کی معقول توجیہات اور موزوں دلائل موجود ہیں، جو درج ذیل ہیں،

رفع یدین کیوں نہیں کیا جائے؟

۱۔نماز کی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے افعال حرکت سے سکون کی طرف منتقل ہوئے ہیں، پہلے نماز میں بات چیت کرنا، سلام کرنا، ادھر ادھر توجہ کرنا جائز تھا(آثار السنن ۱/۰۷۔۲۷۳۔۲۸۹) مگر بعد میں یہ ساری چیزیں ممنوع کردی گئیں ، رفع یدین بھی حرکت والا عمل ہے ، آہستہ آہستہ اس کو بھی ختم کر دیا گیا اور سوائے تکبیر تحریمہ کے کہیں اس کو باقی نہیں رکھا گیا۔

۲۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین کی روایت نقل کرنے والے صحابہ زیادہ تر کم سن ہیں، جیسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ یا وہ صحابہؓ ہیں جنھوں نے کبھی کبھار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھا جیسے حضرت وائل بن حجرؓ، جبکہ رفع یدین نہ کرنے والی روایات بڑی عمر اور اونچے درجہ کے صحابہ سے منقول ہیں، جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ ، ایسے ہی حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور باقی خلفاء راشدین میں سے کسی سے بھی رفع یدین کرنا منقول نہیں ہے۔(آثار السنن ۱/ ۲۱۵) علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: صحابہ کرام میں

عشرہ مبشرہ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، جابر بن سمرہؓ، براء بن عازبؓ، ابوسعید خدریؓ وغیرہ تابعین وتبع تابعین میں حضرت علقمہؒ، اسود شعبیؒ، ابراہیم نخعیؒ ابن ابی لیلیٰؒ، ابواسحاقؒ، خیثمہؒ، قیسؒ، ثوریؒ، مالکؒ، ابن القاسمؒ، عاصم بن کلیبؒ وغیرہ رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے۔(**شرح ابی داؤد للعینی : باب فی رفع الیدین ۳/۳۰۳**)چنانچہ حضرت مغیرہؒ سے روایت ہے: میں نے حضرت ابراہیم نخعیؒ سے عرض کیا: حدیثِ وائل بن حجرؓ میں تو ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکبیر تحریمہ اور رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا ہے؟ حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا: حضرت وائلؓ نے ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہوگا، جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے پچاسیوں دفعہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مواقع پر رفع یدین نہ کرتے دیکھا ہے (**شرح معانی الآثار للطحاوی : باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع هل مع ذلک رفع ام لا : ۱۳۵۱**)

۳۔ اسلام کے دو اہم مراکز، مدینہ اور کوفہ کے رہنے والوں کا تعامل، رفع یدین نہ کرنے کا رہا ہے، (**التمهید لابن عبد البر الحدیث الرابع والعشرون ۹/۲۱۳ . نیل الفرقدین : ۲۲**)

امام مالکؒ جو امام دارالھجرۃ بھی کہلاتے ہیں: وہ فرماتے ہیں کہ میں کسی اہل علم کو نہیں جانتا جو پہلی رفع یدین کے بعد پھر رفع یدین کرتا ہو۔(**المدونة الکبری: رفع الیدین فی الرکوع والاحرام ۱/۱۶۵**)

امام مالکؒ کا دور ۹۳ھ تا ۱۷۹ھ رہا ہے، علامہ ابن خلدونؒ نے تصریح کی ہے کہ امام مالکؒ کے یہاں تعامل اہل مدینہ بڑا اہم اصول ہے۔(**تاریخ ابن خلدون : الفصل السابع فی علم الفقه ۱/۵۶۵**)

۴۔ فقہ کے چاروں ائمہ میں سے دو حضرات امام ابوحنیفہؒ وامام مالکؒ رفع یدین کے قائل نہیں، امام شافعیؒ واحمدؒ اس کے قائل ہیں، امام ابوحنیفہؒ وامام مالکؒ اساتذہ کے درجہ کے امام ہیں، جب انھوں نے یہ مسلک اختیار کیا تو ظاہر ہے، ان حضرات نے اکابر تبع تابعین کو دیکھ کر ہی یہ طریقہ اختیار کیا ہوگا اور اکابر تبع تابعین نے تابعین کی اور تابعین نے صحابہ کرام ہی کی نقل اتاری ہوگی۔

۵۔ امام ترمذیؒ (المتوفی ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں: بہت سے اہل علم صحابہ کرام اور تابعین کا یہی (رفع یدین نہ کرنے کا) مذہب ہے، حضرت سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ کا بھی یہی مسلک ہے۔(ترمذی باب رفع الیدین

عندالرکوع:۷۵۲)

واضح رہے کہ کوفہ وہ مقدس شہر ہے جہاں تقریباً ڈیڑھ ہزار سے زائد صحابہ فروکش (مقیم) ہو گئے تھے،(**الثقات للعجلی : باب فیمن نزل الکوفة وغیرها من الصحابة ۲/۴۴۸**)امام بخاریؒ نے بھی احادیث جمع کرنے کی غرض سے بارہا اس کا سفر کیا ہے(**فتح الباری :نسبه ومولده ومنشئه ومبدأطلبه للحدیث ۱/۴۷۸**)ایسے شہر میں اجماعی طور پر رفع یدین متروک تھا۔

۶۔مکہ مکرمہ میں بھی رفع یدین اس وقت شروع ہوا جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ۶۴ھ میں خلیفہ بنے۔(**تاریخ الاسلام للذهبی ۵/۳۳حوادث سنة اربع وستتین**) کتب احادیث میں ہے کہ: جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے خلیفہ بننے کے بعد نماز پڑھائی تو رفع یدین کیا، مکہ کے رہنے والے تابعی میمون مکیؒ کو اس عمل کو دیکھ کر حیرت ہوئی یعنی یہ چیز ان کو نئی نظر آئی کہ اس سے پہلے تو رفع یدین نہیں ہوتا تھا، انہوں نے فوراً حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایسی نماز پڑھائی جو میں نے کسی کو ایسی نماز پڑھتے نہیں دیکھا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان کی حیرت کو ختم کرنے کے لئے فرمایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا بھی کیا ہے۔(**مسند احمد: ۲۳۰۸ .مسند عبد الله بن العباس. ابو داؤد:باب افتتاح الصلاة : ۷۳۹**)

اب اگر رفع یدین سنت متواترہ ہوتی تو مکہ میں رہنے والے تابعی میمون مکیؒ کو اس پر حیرت کیوں ہوتی، بظاہر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں بھی رفع یدین متروک تھا، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کے دور خلافت میں اس کا پھر دوبارہ رواج ہوا اور چوں کہ امام شافعیؒ کا بچپن مکہ میں ہی گذرا اس لئے وہ بھی رفع یدین کرتے تھے۔

۷۔رفع یدین کرنے کی احادیث صرف فعلی ہیں، جبکہ رفع یدین نہ کرنے والی احادیث فعلی بھی ہیں اور قولی بھی ہیں، مثلاً حضرت براء بن عازبؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل منقول ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے پھر دوبارہ کہیں رفع یدین نہ کرتے تھے(**طحاوی :۱۳۴۷-۱۳۴۹ باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع هل مع ذلک رفع أم لا ؟**)اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مروی ہے کہ سات مقامات کے علاوہ کہیں رفع یدین نہ کیا جانا چاہئے، ان سات مقامات میں تکبیر تحریمہ کے

موقعہ پر رفع یدین تو شامل ہے؛ مگر رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کا تذکرہ نہیں ہے۔ (شرح ابی داود للعینی : باب فی رفع الیدین : ۲۹۹/۳)

۸۔ بہت ساری وہ احادیث جن میں نماز کی مکمل کیفیت کا بیان ہے؛ لیکن ان میں اس اختلافی رفع یدین کا تذکرہ موجود نہیں ہے، یہ احادیث حدیث کی کئی کتابوں میں آئی ہیں۔ (بخاری : باب امر النبی الذی لایتم رکوعہ بالاعادۃ : ۷۹۳ بخاری : باب ایجاب التکبیر و افتتاح الصلاۃ : ۷۳۲ بخاری : باب المکث بین السجدتین : ۸۱۸ ابن ماجہ : باب اتمام الصلاۃ ۱۰۶۲)

مسئلہ رفع یدین اور اس نوع کے بعض مسائل سے متعلق چند مغالطے یا غلط فہمیاں

پہلا مغالطہ: بخاری کی روایات صحیح دیگر روایات ضعیف

۱۔ ایک مشہور اور عمومی مغالطہ یہاں یہ ہوتا ہے کہ رفع یدین سے متعلق احادیث صحیح بخاری میں موجود ہیں، جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ترک رفع یدین والی روایت بخاری میں نہیں؛ بلکہ ترمذی یا دیگر کتب احادیث میں ہے، اس سے یہ باور کرلیا جاتا ہے کہ رفع یدین والی روایات صحیح اور قابل عمل ہیں اور ترک رفع یدین والی روایات ضعیف اور نا قابل عمل ہیں،

معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ایک خود ساختہ اصول ہے جو اس کے وضع کرنے والوں کی علمی سطح اور فن حدیث سے جہالت کی نمائندگی کرتا ہے، علم اصول حدیث کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کہیں بھی اس کا نشان نہیں ملتا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ نہ ہی ساری صحیح احادیث بخاری میں جمع کردی گئی ہیں اور نہ یہ بات ہے کہ بخاری کے علاوہ دیگر کتب احادیث نا قابل اعتبار ہیں،

خود امام بخاریؒ کا فرمان ہے: میں نے اپنی اس کتاب میں صحیح احادیث ہی کی تخریج کی ہے اور جن صحیح احادیث کو میں نے اپنی کتاب میں نہیں لیا ہے وہ اس سے زیادہ ہیں۔ (شروط الائمہ الخمسۃ للحازمی : ۸۱) ایک موقع پر ارشاد فرمایا: مجھے ایک لاکھ صحیح احادیث یاد ہیں۔ (حوالۂ سابق)

امام مسلمؒ نے بھی اپنی صحیح میں ایک جگہ صاف کہہ دیا ہے کہ ایسی بات نہیں کہ میں نے ہر صحیح حدیث کو اپنی کتاب میں رکھ دیا ہے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ میری کتاب کی ہر حدیث صحیح ہے۔ (مسلم : باب التشہد

فی الصلاۃ : ۲۱۲)

بخاری ومسلم نے ساری صحیح احادیث کو کیوں نہیں لیا؟

امام بخاریؒ نے بعض صحیح احادیث کو لیا اور بعض کو نہیں لیا، اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ وہ صحیح احادیث جو کسی اور ذریعہ سے امت میں محفوظ ومروج ہوگئی ہیں، ان کو انہوں نے نہیں لیا، مثال کے طور پر جس طرح بخاریؒ میں امام ابوحنیفہؒ کی سند سے کوئی روایت نہیں، اسی طرح امام مالکؒ وشافعیؒ واحمدؒ کے ساتھ بھی امام بخاریؒ کا کم وبیش یہی معاملہ ہے، شاید امام بخاریؒ کے پیش نظر یہ ہو کہ ان ائمہ کے شاگردوں نے ان سے مروی احادیث کو عمدہ طریقہ پر محفوظ ومضبوط کر دیا ہے، جامع المسانید میں رفع یدین نہ کرنے کی روایت حضرت امام ابوحنیفہؒ سے صحیح سند کے ساتھ ان کے شاگرد روایت کرتے ہیں، اوپر کے تمام راوی نہایت اعلی معیار کے ہیں، اس کے باوجود یہ حدیث امام بخاریؒ نے نہیں لی؛ کیوں کہ یہ حدیث امام صاحبؒ کے شاگردوں کے ذریعہ امت میں محفوظ ومعمول ہوگئی تھی،

اس کا بھی امکان ہے کہ امام بخاریؒ کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے واسطے زیادہ ہوگئے ہوں اور کوئی نیچے کا راوی امام بخاریؒ کے معیار پر پورا نہ اترتا ہو، اس وجہ سے امام بخاریؒ نے اس کو نہیں لیا ہو،

ویسے امام ابوحنیفہؒ کے مایہ ناز شاگردوں کے واسطہ سے تو بخاری میں روایات موجود ہیں، ثلاثیات بخاری (وہ روایات جن میں امام بخاریؒ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں) جو امام بخاریؒ کے سرمایہ فخر وناز ہیں، ان کی کل تعداد بخاری میں ۲۲ ہے۔ (کشف الظنون ۱/ ۵۲۲) جن میں سے ۱۱ ثلاثیات امام ابوحنیفہؒ کے نامور شاگرد مکی بن ابراہیم کے واسطہ سے ہیں۔ (مقام ابی حنیفۃؒ ص: ۱۱۱) چند ثلاثیات ابو عاصم النبیل کے واسطے سے ہیں، یہ بھی امام صاحب کے شاگرد ہیں۔ (اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ : ومن اصحاب ابی حنیفۃ علی بن مسھر ۱/ ۱۵۹)

بخاری میں ساری صحیح روایات موجود نہ ہونے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ امام بخاری جس طرح محدث ہیں ایسے ہی مجتہد وفقیہ بھی ہیں، جن روایات کو انہوں نے اپنے اجتہاد اور فقہی ذوق کے مطابق پایا، اپنی کتاب میں اس کو لے لیا، باقی کو چھوڑ دیا، جس کی بناء پر ان کے بعض اجتہادات امام شافعیؒ کے موافق ہوگئے اور بعض امام ابو

حنیفہؒ کے (مقدمہ فیض الباری ص:۵۸)

اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ بخاری کی روایات امام بخاریؒ کے مسلک فقہی کے موافق ہیں، ظاہر ہے صرف اتنی بنیاد پر دیگر مسالک فقہیہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، جبکہ دیگر مسالک فقہیہ کے جو ائمہ ہیں، وہ فقہ کے میدان میں امام بخاریؒ سے کئی گنا آگے ہیں، حدیث کے میدان میں بھی ان ائمہ کا مقام و مرتبہ امام بخاریؒ سے کچھ کم نہیں،

ائمہ اربعہ اور علم حدیث

امام ابو حنیفہؒ کو ستر ہزار سے زائد احادیث یاد تھیں اور انھوں نے اپنی حدیث کی کتاب ''الآثار'' کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا تھا۔(مناقب الامام ابی حنیفہؒ للقاری مع الجواهر المضیة ۲/ ۴۷۴)

امام مالک کی مؤطا تمام تر ثلاثیات کا مجموعہ ہے اور اسے امام شافعیؒ نے کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب قرار دیا۔(حجة الله البالغة ۱/ ۳۷۷)

امام شافعیؒ اتنے بڑے محدث تھے کہ امام نسائی کے استاذ حضرت بلال بن العلا فرمایا کرتے تھے: محدثین تو امام شافعیؒ کے حاجتمند ہیں (تاریخ دمشق ۵۴/ ۲۸۵) مسند شافعیؒ جس میں امام شافعیؒ کی مرویات ہیں، اس میں تقریباً بارہ سو روایات موجود ہیں (حاشیہ تدریب الراوی ۱/ ۱۷۵) اور امام شافعی کی یہ کتاب متون حدیث کی اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔(امام محمد بن ادریس الشافعی: حیات و خدمات:۴۳)

امام احمدؒ کی مسند احمد میں لگ بھگ چالیس ہزار احادیث موجود ہیں، حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں: مسند احمد میں بہت ساری احادیث ایسی ہیں جو بخاری و مسلم کے ہم پلّہ ہیں۔(ما تمس الیه الحاجة ص:۲۲)

تفصیل بالا سے ثابت ہوا کہ ''بخاری و مسلم کی احادیث صحیح، باقی ضعیف'' ایک ایسا من گھڑت اصول ہے جو شر پسندی؛ بلکہ انکار حدیث کا زینہ ہے، جس زمانے میں صحیح مسلم، لفظ صحیح کے ٹائٹل کے ساتھ منظر عام پر آئی تھی، اس وقت بعض بالغ نظر علماء نے اس فتنہ کو بھانپ لیا تھا اور اس معاملہ میں امام مسلم پر سخت عتاب کیا تھا: چنانچہ امام ابو زرعہ اور امام ابن وارہؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ان حضرات نے امام مسلمؒ سے فرمایا کہ: آپ نے

اپنی کتاب کا نام صحیح کیوں رکھا؟ یہ تو شر پسندوں کو انکار حدیث کی ڈھال فراہم کرنا ہوا، اب بے شمار احادیث کے بارے میں وہ صاف کہہ دیں گے کہ یہ ''صحیح'' میں نہیں ہیں، لہذا مردود ہیں! امام مسلمؒ نے معذرت کی کہ میں نے یہ کب کہا کہ صحیح مسلم کے ماسوا احادیث ضعیف ہیں (شروط الائمہ للحازمی : ۸۴)

دوسرا مغالطہ

یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کسی حدیث کا سنداً صحیح ہونا عمل کے لئے کافی ہے، یہ دیکھنے کی تکلیف نہیں کی جاتی کہ آیا اس حدیث کا حکم بھی برقرار ہے یا پھر وہ منسوخ ہوگئی ہے؟ آیا وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل عمل بھی ہے یا پھر وقتی وحادثاتی عمل ہے؟ آیا اس حدیث پر امت کا تعامل بھی ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے ان باتوں سے صرف نظر کر کے محض صحیح حدیث پر عمل کا جذبہ انسان کو کسی اور راستہ پر لے کر چلا جاتا ہے،

مثال کے طور پر: نماز میں بات چیت کا ثبوت صحاح کی روایات سے ہے، مگر اس کے بالمقابل دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز منسوخ کر دی گئی، اب اگر کوئی آدمی اس دوسری حدیث کو سامنے نہ رکھے اور نماز میں بات چیت کے عمل کو جاری سمجھے تو وہ ایک ایسے عمل کو کرنے والا ہوگا جو اب اسلامی حکم نہیں رہا۔

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی روایت بخاری شریف میں موجود ہے، مگر یہ ایک اتفاقی وحادثاتی عمل ہے، بیٹھ کر پیشاب کرنے کی روایت بخاری میں موجود نہیں، حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل عمل اسی کے مطابق تھا، اب اگر کسی کو بخاری کا بخار چڑھ گیا ہو تو شاید وہ اس پر اصرار کرنے لگے کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا چاہئے، ظاہر ہے یہ کوئی اسلامی تہذیب نہیں ہوسکتی۔

صحیح حدیث ہے کہ کوئی شرابی چوتھی بار شراب نوشی کا ارتکاب کرے تو اسے قتل کردو (ترمذی ابواب الحدود: ۲۶۷)

یہ روایت مسلم کی شرط پر ہے اور دس سے زائد صحابہ کرام سے مروی ہے۔ (قوت المغتذی ۱/۲۶۷) مگر اس پر امت کا تعامل نہیں، ایسے ہی مسلم شریف کی روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں رہ کر ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کسی خوف یا بارش کے عذر کے بغیر جمع فرمایا۔ (مسلم مع فتح الملہم : باب جواز الجمع بین الصلاتین فی السفر ۲/۲۶۵. ترمذی : باب ماجاء فی الجمع بین

الصلاتین ۱/۷۴)امام ترمذیؒ فرماتے ہیں،اس حدیث پر کسی فقیہ کا عمل نہیں (ترمذی : کتاب العلل ۲/۲۳۳)اس سے معلوم ہوا کہ تنہا حدیث کا صحیح ہو جانا کافی نہیں ؛ بلکہ ان سارے مباحث کو طئے کرنا ضروری ہے، بسا اوقات حدیث سنداً ضعیف ہوتی ہے؛مگر امت کے تعامل کی بناء پر اسے قبول کرلیا جاتا ہے اور وہ شریعت کا ایک حکم ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر یہ حدیث کہ:''وارث کے لئے وصیت نہیں ہوتی'' امام شافعیؒ کی تصریح کے مطابق محدثین کے یہاں ثابت نہیں ،تاہم امت نے اس کو قبول کیا اور اسے میراث کا مستقل ضابطہ قرار دیا۔(فتح المغیث ص : ۱۲۰)ایسے ہی یہ روایت کہ:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو چھ سال کے وقفہ کے بعد ان کے سابقہ شوہر ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پاس ، نیا نکاح کئے بغیر لوٹا دیا ، یہ روایت سنداً صحیح ہے ،تاہم قابل عمل نہیں ، جب کہ یہ روایت کہ ابوالعاص کے قبول اسلام کے بعد نئے نکاح کے ساتھ حضرت زینبؓ کو ان کی زوجیت میں دیا گیا تھا ،سنداً پہلی حدیث کے مقابلہ میں کمزور ہے ،مگر امت میں مقبول ہے اور اس کے مطابق مسئلہ شرعیہ بھی ہے۔(ابو داؤد مع البذل : ۲۹۸/۳)

رفع یدین کے معاملہ میں بھی دلائل شرعیہ اس بات کا اشارہ کرتے ہیں کہ ایک خاص زمانے تک کا عمل نبوی تھا ،تاحیات اس کا معمول نہیں رہا ،اخیر زمانے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین ترک فرمادیا تھا ،خلفاء راشدین اور کبار صحابہ بھی رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے ،ایسے میں یہ کہنا کہ رفع یدین والی حدیث بخاری میں ہے، علمی کمزوری کی بات ہے۔

تیسرا مغالطہ

بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ رفع یدین سنت متواترہ ہے ،اس دعوی کی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ امام بیہقیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی سند سے یہ روایت نقل کی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے موقع پر اور رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنا ،اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات تک معمول رہا ،

حالانکہ ائمہ محدثین کے نزدیک یہ حدیث انتہائی ضعیف ؛ بلکہ موضوع درجہ کی ہے۔(آثار السنن ۱/۲۰۱)

قابل غور بات یہ ہے کہ رفع یدین ایک فعل ہے جو نظر آتا ہے ،ثناء و تسمیہ کی طرح کوئی ذکر و تسبیح نہیں کہ

جو دکھائی اور سنائی نہ دیتا ہو، دن رات میں صرف فرض رکعتیں سترہ ہوتی ہیں، ہر رکعت میں کم از کم دو دفعہ رفع یدین تسلیم کیا جائے تو یہ عمل کل ۳۴ بار ہو جائے گا اور مہینہ بھر کی نمازوں میں ایک ہزار سے زائد بار ہو جائے گا، ظاہر ہے رفع یدین اگر اتنی کثرت سے ہوا کرتا ہوتا تو احادیث میں بھی کثرت کے ساتھ اس کا تذکرہ ملتا اور رفع یدین کے قائلین کو ایک ضعیف یا موضوع حدیث کا سہارا لینے کی ضرورت نہ پڑتی۔

چوتھا مغالطہ

بعض کم علم حضرات عوام الناس کو اس طرح دھوکے میں ڈالتے ہیں کہ ''کان'' عربی گرامر کے لحاظ سے استمرار یعنی کسی کام کے جاری رہنے کے معنی میں آتا ہے، رفع یدین والی احادیث میں چونکہ ''کان یرفع یدیه'' (بخاری ۱/۱۰۲. مسلم ۱/۱۶۹) جیسے الفاظ آئے ہیں، اس لئے اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی نماز میں رفع یدین فرمایا کرتے تھے،

یہ دلیل اس قدر کمزور قسم کی ہے کہ اس کو دلیل کا نام دینا بھی جہالت و بے وقوفی ہے، اگر ''کان'' ہر وقت استمرار کے لئے ہو تو پھر ان احادیث کا کیا مطلب ہوگا کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جوتے پہن کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ (مجمع الزوائد : ۲۲۵۲. کان یصلی فی نعلیه) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج مطہرات کا بوسہ لیا کرتے تھے (کان یقبل بعض نسائه) پھر نماز کی طرف چل پڑتے تھے اور وضو نہ کرتے تھے۔ (مجمع الزوائد : ۱۲۸۱) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم: اس جگہ نماز پڑھتے تھے جہاں حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما پیشاب کیا کرتے تھے، (مجمع الزوائد : ۱۹۳۲) واقعہ یہ ہے کہ ''کان'' عربی محاورات کے لحاظ سے استمرار کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ محض کسی واقعہ یا عمل یا بات کے اظہار کے لئے بھی آتا ہے۔

پانچواں مغالطہ

ایک تاثر ان حضرات کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ: احادیث کے باقاعدہ مجموعے چوں کہ دوسری صدی کے اواخر سے تیار ہوئے، اس لئے یہ عین ممکن ہے کہ وہ حضرات جو رفع یدین کے قائل نہیں ہیں، یعنی امام ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ وغیرہ، ان تک وہ احادیث نہ پہنچی ہوں اور ان احادیث کا علم نہ ہونے کی بناء پر وہ ترک رفع یدین پر عامل رہے ہوں، اب جبکہ احادیث کی کتابیں ہمارے درمیان موجود ہیں، ان میں رفع یدین کی بہت

ساری روایات بھی موجود ہیں،اس لئے اب رفع یدین پر سب کو متفق ہو جانا چاہئے،

یہ مفروضہ اور یہ خیال بھی بے بنیاد اور بھولے پن کی بات ہے،احادیث کے ضبط وحفاظت کا کام پہلی صدی ہی سے؛ بلکہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں شروع ہو چکا تھا،(درس ترمذی ۱/۳۴تا ۴۹)

پھر امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں یہ بات کیسے باور کی جاسکتی ہے کہ ان کو رفع یدین والی احادیث معلوم نہ تھی،حالانکہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رفع یدین اور ترک رفع یدین کے مسئلہ میں فقیہ شام امام اوزاعیؒ کے ساتھ جو دلچسپ مناظرہ ہوا تھا،اس کی روداد تاریخ وفقہ کی کتابوں میں آج بھی قلمبند ہے۔(المبسوط للسرخسی ۱/۱۴ . مناقب للمکی ۱/۱۳۰ . عقود الجواهر المنيفة فی ادلة الامام ابی حنیفةؒ للسید مرتضی الزبیدیؒ ۱/۶۰. ۶۱اعلاء السنن : فوائد فی علوم الفقه : ۳۱۷)

اس خیال کی لغویت اس سے بھی عیاں ہوتی ہے کہ رفع یدین والی روایات؛موطا امام مالک میں مذکور ہیں لیکن فقہ مالکی کی مرکزی شخصیت علامہ ابن القاسمؒ کا بیان ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ کہیں اور رفع یدین کرنا امام مالکؒ کے نزدیک کمزور چیز ہے۔(المدونة الکبری : رفع الیدین فی الرکوع والاحرام ۱/۱۶۵)

امام مالک اونچے درجہ کے تبع تابعین میں سے ہیں،ان کا تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر مواقع پر رفع یدین کرنے کو ضعیف کہنا؛اس بات پر دلیل ہے کہ رفع یدین،زمانہ تابعین میں متروک ہو چکا تھا اور یہ چیز رفع یدین والی روایات کے منسوخ ہونے کی ایک اہم علامت ہے۔(اعلاء السنن : ترک رفع الیدین فی غیر الافتتاح ۳/۷۷)



مؤلف کے بارے میں

نام	:	محمد مکرم محی الدین
ولدیت	:	محمد مظہر محی الدین صاحب
تاریخ ولادت	:	۲۲/جولائی ۱۹۸۱ء
جائے ولادت	:	حیدرآباد دکن
حفظ قرآن	:	۱۹۹۳ء تا ۱۹۹۵ء مدرسہ تحفیظ القرآن عالیہ مغلپورہ حیدرآباد
قرأت حفص	:	۱۹۹۶ء مدرسہ سراج العلوم ویلگوڑ
ابتدائی تعلیم	:	۱۹۹۶ء تا ۱۹۹۸ء مدرسہ تحفیظ القرآن عالیہ مغلپورہ حیدرآباد
عالمیت	:	۱۹۹۹ء تا ۲۰۰۱ء جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد
فضیلت	:	۲۰۰۲ء دارالعلوم دیوبند
افتاء	:	۲۰۰۳ء جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد
عصری تعلیم	:	بی.کام۔ ایم.اے (اردو)
تدریس	:	۲۰۰۵ء تا حال جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد
خدمت افتاء	:	صفا شریعت ہیلپ لائین ودارالافتاء صفا بیت المال
تالیفات	:	مروجہ تقاریب نکاح: شریعت کی نظر میں
		عاملین اور محصلین زکوۃ: ایک تجزیہ
		طہارت ونماز کے مسائل (قرآن وحدیث کی روشنی میں)
		تخریج وتحقیق: اسوہ نبوی اور خاندانی تعلقات
		(از حضرت مولانا محمد موسی خان ندوی مدظلہ العالی)
		ملک کے معروف اخبارات وجرائد میں مقالات ومضامین کی اشاعت

قرأت خلف الامام کا مسئلہ

(امام کے پیچھے مقتدی قرأت کرے یا نہیں)

تالیف

محترم جناب حبیب الدین صاحب

سابق لکچرار جامعۃ الملک عبدالعزیز جدہ

حال فیکلٹی نیویارک انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی

تصحیح وتخریج

مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی

(استاذ دارالعلوم حیدرآباد)

نام کتاب	:	قرأت خلف الامام کا مسئلہ
تالیف	:	محترم جناب حبیب الدین صاحب
تصحیح وتخریج	:	مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی
کمپیوٹر وکمپوزنگ	:	حافظ محمد عبدالمقتدر عمران
صفحات	:	24
ایڈیشن	:	(طبعِ اول)
قیمت	:	20روپئے

﴿ملنے کے پتے﴾

ہدی بک ڈسٹری بیوٹرس پرانی حویلی حیدرآباد

فون نمبر:24514892,24411637

مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی

23-2-26 مغلپورہ، حیدرآباد

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد

فون نمبر:9704095041

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

(فرمانِ خداوندی)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحمت ہو

(فرمانِ رسول)

اور جب امام قرأت کرنے لگے تو تم خاموش رہو......جس شخص کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے

(حضرت علیؓ)

امام کے پیچھے قرأت کرنے والا فطرت سے برطرف ہے

(شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ)

جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرنا بے دلیل اور کتاب وسنت اور تعامل صحابہ کے خلاف ہے اور سری نمازوں میں مقتدی پر قرأت فاتحہ وسورۃ واجب نہیں

(شیخ ناصر الدین البانیؒ)

جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرنا منسوخ ہے

پیش لفظ

محترم جناب حبیب الدین صاحب ایک ستھرا علمی ذوق رکھنے والی شخصیت ہیں ، اکابر محقق علماء کی اردو کتابوں سے خوب استفادہ کرتے ہیں ، باتوفیق علماء ربانیین کی اردو تفاسیر ،شروحاتِ حدیث اور فقہی رسائل سے نہ صرف اپنا دامن مراد بھرتے ہیں بلکہ اس کی اشاعت وتبلیغ کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں ،علماء سلف اور ائمہ اربعہ کے تعلق سے پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنے میں کوشاں رہتے ہیں ،اہل علم سے ربط وتعلق کا مزاج رکھتے ہیں ،تحریر وانتخاب میں داعیانہ رنگ غالب ہے خالص مناظرانہ زبان سے گریز ہے۔

چند سال قبل موصوف نے طہارت ونماز سے متعلق قرآن وحدیث کے حوالوں سے بہت سارے مسائل یکجا کئے تھے ، بندہ نے ان کی خواہش پر استاذ محترم فقیہ العصر مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی صدر مفتی جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدرآباد کی نگرانی میں یہ کام آگے بڑھایا تھا جو تقریباً چھ سو صفحات پر مکمل ہوا تھا، کتاب کے شروع میں حضرت مفتی صاحب کا مبسوط و معلومات افزاء قیمتی مقدمہ بھی شامل ہے، جناب حبیب الدین صاحب ہی نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری لی تھی اور بحمد للہ تعالی اب تک اس کے دو ایڈیشن شائع کر چکے ہیں ،اس کے بعد انھوں نے علیحدہ طور پر ''رفع یدین کے مسئلہ'' پر بھی ایک رسالہ ترتیب دیا تھا جو بندہ کی ترتیب و اضافوں کے ساتھ شائع کیا گیا تھا ، ابھی تازہ طور پر جناب موصوف نے قرأت خلف الامام کے مسئلہ پر مختلف مستند اردو کتابوں سے نہایت مفید مواد ترتیب دیا ، جس میں قرآن وحدیث اور اقوالِ سلف کو حکیمانہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے ، یہ مواد ، ایک عام فہم رکھنے والے موافق ومخالف ہر دو کو مطمئن کرنے والا ہے ، بندہ نے ان کے رسالہ پر نظرِ ثانی کی ہے اور حوالہ جات کی تخریج کی ہے ،اللہ تعالی موصوف کی اس کاوش کو مقبول فرمائے اور اس کے نفع کو عام فرمائے۔

محمد مکرم محی الدین

۳ر ربیع الاول ۱۴۳۶ھ

م ۲۶ر ڈسمبر ۲۰۱۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج کل کچھ لوگ ایک جماعت بنا کران مسائل کو جو برسوں پہلے طئے ہو چکے ہیں، دوبارہ عوام کے سامنے لاکران میں اختلافات پیدا کررہے ہیں، حالانکہ یہ نہ کوئی نئے مسائل ہیں اور نہ نئی تحقیق، بہت پہلے ہی علماء کرام اس بحث سے فارغ ہو چکے ہیں، اس کے باوجود یہ حضرات عوام میں غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں کہ تمہاری نمازیں ہوتی ہی نہیں، کیونکہ تم نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی، رفع یدین نہیں کیا، تمہاری نماز خلاف سنت ہے، ہماری ہی نماز سنت کے مطابق ہے وغیرہ، اس فرقہ کے لوگ چند افراد کو چند دلائل رٹا کر چھوڑ دیتے ہیں پھر یہ افراد علم کے دھوکہ میں فتنے وانتشار کا وہ ماحول برپا کردیتے ہیں کہ دینی مجالس اور مساجد بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہیں رہتے، انہیں میں سے ایک مسئلہ امام کے پیچھے قرأت کرنے کا ہے، یہ لوگ عوام کے سامنے ایک حدیث بیان کرتے ہیں: کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، حالانکہ اس میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کا ذکر ہی نہیں لیکن بے چارے عوام کو کیا معلوم! پھر اس پر زیادہ زور دیتے ہیں کہ یہ بخاری کی حدیث ہے، یعنی اگر اس کے خلاف کوئی حدیث ہو بھی تو وہ ضعیف ہے، اس طرح یہ ثابت کرتے ہیں کہ امام کے پیچھے بھی سورۃ فاتحہ پڑھی جائے ورنہ نماز نہیں ہوتی، اسی مسئلہ کی تشریح اس کتابچہ میں کی گئی ہے، کہ آیا مقتدی امام کے پیچھے قرأت کرے یا نہیں؟

علمی تحقیق کا معیار اور عوام کا کام

علمی تحقیق کے لئے یہ ضروری ہے کہ مسئلہ سے متعلق تمام معلومات اکٹھا کئے جائیں اور اس کے بعد کوئی نتیجہ اخذ کیا جائے، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ آدمی اصولِ شرع (قرآن وحدیث، اجماع وقیاس) سے واقف ہو، ظاہر ہے یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اس صورت میں عام آدمی کسی جاننے والے متقی شخص کی تحقیق پر اطمینان کرلے اور اس پر عمل کرے، آج کل پوری دنیا کا نظام بھی اسی پر چلتا ہے کہ آدمی صرف اپنی معلومات کے دائرے میں اظہارِ خیال کرتا ہے، دیگر علوم وفنون میں اس کے ماہرین کی بات پر اعتماد کرتا ہے، مقلدین یہ سمجھتے ہیں کہ علماءِ حق نے تحقیق کے بعد جو رائے دی ہے اس پر عمل کیا جائے، جو دلائل انہوں نے پیش کئے ہیں ان کو تسلیم کیا جائے اور اسی پر کئی سو سال سے تمام مسلمان عمل کرتے آرہے ہیں، اس لئے اب یہ کہنا کہ ان سب کی تحقیق غلط اور

چودہ سو سال سے سب نے غلط نمازیں پڑھیں ان کی نمازیں نہیں ہوئیں، اب ہم نے جو تحقیق کی ہے وہی صحیح ہے اور باقی غلط، ظاہر ہے یہ ایک نامعقول اور بے ہودہ بات ہے، کوئی ہوشمند اور صاحبِ عقل اس کو قبول نہیں کر سکتا۔

یہ بات بڑی اہم ہے کہ نماز دین کا ستون ہے، صحابۂ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر نماز پڑھی، تابعین نے صحابۂ کرام کو دیکھ کر، تبعِ تابعین نے تابعین سے علمِ دین اور نماز کے مسائل بھی سیکھا، کیا نماز کے بنیادی مسائل بھی ان بزرگوں کو معلوم نہ تھے؟ انہی تابعین اور تبع تابعین سے فقہاء کرام نے نماز کے مسائل معلوم کئے، کیا انہوں نے یہ جستجو نہیں کی کہ نماز کے صحیح ہونے کے لئے کیا ضروری ہے اور کیا ضروری نہیں، ہمارا یقین ہے کہ انہوں نے اس کا پورا حق ادا کیا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے بہت قریب تھے، ان کی تحقیق ہماری تحقیق کے مقابلے میں صحیح تھی، خاص کر نماز جیسی عبادت کے معاملہ میں۔ (اللہ تعالی ان پر رحم فرمائے)

زیر بحث مسئلہ کی قرآنی دلیل

علمِ دین کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ کسی بھی اختلافی مسئلہ میں سب سے پہلے قرآن سے رجوع کیا جاتا ہے، آیئے سب سے پہلے دیکھتے ہیں کہ قرآن اس سلسلہ میں کیا رہنمائی کرتا ہے، سورۃ الاعراف آیت: ۲۰۴ میں اللہ تعالی فرماتا ہے: واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون ترجمہ: جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے، یہ آیت فیصلہ کر دیتی ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کی جائے یا نہ کی جائے۔

اعتراض (۱): غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین سے متعلق ہے کہ وہ جب قرآن پڑھا جاتا تھا تو شور وغوغا کرتے تھے اس لئے ان کو خاموش رہنے کے لئے کہا گیا۔ (تفسیر قرطبی ۷/۳۵۷) فرض کر لیں کہ یہ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے تب بھی قرآن کا کونسا حکم ہے جس میں مشرکین کو کسی کام سے منع کیا گیا ہو اور مسلمان اس سے مستثنی ہوں، مشرکین کو شرک سے منع کیا گیا تو کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہاں مخاطب مشرکین ہیں مسلمان نہیں، قرآن کا علم رکھنے والا ادنیٰ طالب علم جانتا ہے کہ کسی حکم یا آیت کا شانِ نزول اور سببِ نزول خاص بیان کیا جاتا ہے لیکن حکم عام ہوتا ہے، جس کی کئی مثالیں ہیں، مثلاً: سورۃ نور میں پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے والوں کے لئے ۸۰ کوڑے مارنے کی سزا تجویز کی گئی اور یہ آیتیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کے خصوصی واقعہ میں نازل ہوئی تھیں، تاہم جمہور علماء کا کہنا ہے یہ حکم سب کے لئے عام ہے، لعان کی

آیتیں حضرت ہلال بن امیہؓ اور ان کی بیوی کے بارے میں نازل ہوئیں کہ میاں بیوی میں سے کوئی ایک، دوسرے پر زنا کاری کا الزام لگائے اور شرعی ثبوت نہ ہو تو شرعی طریقہ کے مطابق لعان کریں، تاہم یہ حکم بھی سب مسلمانوں کے لئے عام ہے، (الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی ۱/۱۱۰، الموسوعۃ القرآنیہ ۱/۵۳)

اعتراض (۲): بعض کہتے ہیں کہ اس کا تعلق خطبۂ جمعہ سے ہے لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ خطبۂ جمعہ تو مدینہ میں جاری ہوا اور یہ آیت مکی ہے، دوسرے یہ کہ خطبہ میں تو قرآن کی تلاوت کم اور نصیحتیں زیادہ ہوتی ہیں، جب اس میں خاموش رہنے کے لئے کہا گیا تو نماز میں خاموش رہنا بدرجہ اولی واجب ہوگا، جبکہ امام قرأت کر رہا ہو۔ (احکام القرآن لابن العربی ۲/۳۶۶، قرطبی ۷/۳۵۷)

یہ تو تھے اعتراضات، یہ دیکھیں کہ اس آیت کے تعلق سے صحابۂ کرام محدثین اور فقہاء کیا کہتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تعلق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے قرآن سیکھو (تاریخ دمشق لابن عساکر ۳۳/۶۲) انہوں نے جب لوگوں کو امام کے پیچھے قرأت کرتے دیکھا تو فرمایا کہ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم سمجھو اور عقل سے کام لو، جب قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہو تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو، جیسا کہ اللہ تعالی نے اس کا حکم دیا ہے، یعنی آپؓ نے اس آیت کو نماز کے لئے قرار دیا۔ (الدر المنثور للسیوطی ۳/۶۳۵)

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ جن کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی کہ اے اللہ ان کو دین کی سمجھ اور قرآن کی تفسیر میں مہارت عطا فرما۔ (مسند احمد: ۲۸۸۱) وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت فرض نماز کے بارے میں نازل ہوئی، ان کے علاوہ اور بھی صحابہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مغفلؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ بھی اس آیت کا شانِ نزول نماز کو قرار دیتے ہیں (تفسیر مظہری ۳/۴۵۰، لباب النقول ۱/۹۳) تابعین جنہوں نے صحابۂ کرامؓ سے علمِ دین حاصل کیا، حضرت مجاہدؒ، حضرت سعید بن مسیّبؒ، امام زہریؒ، حسن بصریؒ، عطا بن ابی رباحؒ، ابراہیم نخعیؒ، قتادہؒ اور شعبیؒ وغیرہ بھی اس آیت کا شانِ نزول نماز ہی کو بتلاتے ہیں (دیکھئے التفسیر المنیر ۹/۲۲۸، احکام القرآن للجصاص ۴/۲۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ: من کرہ القرأۃ خلف الامام ج ۳ حدیث: ۳۷۹۷ تا ۳۸۲۳) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ امام اہلسنت حضرت احمد بن حنبلؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس آیت کا شانِ نزول نماز ہے۔ (التعلیق الحسن ۱/۸۴) امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: سلفِ صالحین سے یہی مشہور ہے کہ یہ آیت نماز کے اندر قرأت کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ ۲/۲۸۸) سرخیلِ اہلحدیث علامہ

شوکانیؒ کہتے ہیں کہ سلف کی ایک جماعت نے صراحت کی ہے کہ یہ آیت نماز میں امام کی قرأت سے متعلق ہے۔ (فتح القدیر للشوکانی ۲/۲۱ ۳) غور کریں کہ سلفی آیا وہ ہیں جو ان اسلاف کی اتباع کرتے ہیں یا وہ جو ان کی مخالفت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو سلفی کہتے ہیں؟!

احادیث سے استدلال

قرآن کے بعد دوسرا تشریعی ماخذ حدیث ہے، آیئے یہ معلوم کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔

پہلی دلیل: وہ احادیث جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ امام کی قرأت کے وقت مقتدی خاموش رہیں: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب فرمایا اور سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی اور نماز کا طریقہ بتلایا اور یہ فرمایا کہ نماز پڑھنے سے قبل اپنی صفوں کو درست کرلو، پھر تم میں سے ایک تمہارا امام بنے، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو" واذا قرأ فانصتوا" اور جب وہ ولاالضآلین کہے تو تم آمین کہو، (مسلم: باب التشہد فی الصلوۃ ۱/۳۰۴) یہ حدیث اور بھی حدیث کی کتابوں میں آئی ہے، یہ حدیث مسلم کی ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ضعیف ہے، صاف اور صریح ہے جو امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتی ہے، مرفوع ہے یعنی اس کا سلسلہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے، اس حدیث میں حسب ذیل نکات قابل غور ہیں

(۱) سنت کے مطابق زندگی گزارو، جس میں یہ بھی داخل ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنا سنت ہے، جس کی تلقین حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔

(۲) جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اس میں امام اور مقتدی دونوں کو تکبیر کہنے کا حکم دیا گیا۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو، اس میں صاف اور واضح طور پر بتایا گیا کہ امام کا کام قرأت کرنا اور مقتدی کا کام خاموش رہنا ہے۔

(۴) امام کے ولاالضآلین کہنے کے بعد آمین کہو، اگر مقتدی بھی قرأت کرے تو اس کی آمین یا تو امام سے پہلے ہوگی یا بعد میں یا پھر وہ آمین کا انتظار کرے گا اور یہ تمام صورتیں خلافِ سنت ہیں۔ (فصل الخطاب: ۴۶، ۴۹، ۵۰)

(۵) اس حکم میں خاص طور پر و لا الضـآلین کہنے کے بعد آمین کہنا، اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ سورۃ فاتحہ صرف امام پڑھے گا اور مقتدی خاموش رہیں گے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۲/ ۶۸۷: باب القرأۃ فی الصلاۃ)

(۶) اس روایت میں امام کی قرأت کے وقت خاموش رہنے کا حکم مطلق ہے جو جہری اور سری دونوں قرأتوں کو شامل ہے، مقتدی؛ جب جہری قرأت ہوگی تو آمین کہے گا ورنہ خاموش رہے گا۔

(۷) یہ تو ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے فرائض تو بیان کر دیئے ہوں اور مقتدی کے فرائض ترک کر دیئے ہوں، بالفاظِ دیگر مقتدی کو قرأت کرنا تو فرض تھا مگر نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے برعکس اس کو خاموش رہنے کا حکم فرمایا ہو۔

(۸) حدیث میں ''واذا قال'' کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ پڑھنے والا ایک اور ''قولوا'' کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ کہنے والے بہت سے ہیں یعنی صرف امام پڑھے گا نہ کہ مقتدی۔

اعتراض: اس روایت پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ''خاموش رہو'' کے الفاظ غیر محفوظ ہیں، کیونکہ یہ حدیث بخاری میں اس اضافہ کے بغیر ہے، جواب یہ ہے کہ:

(۱) امام مسلمؒ نے اپنے شاگرد کے دریافت کرنے پر بتایا کہ یہ اضافہ صحیح ہے۔ (مسلم: باب التشھد فی الصلاۃ ۱/ ۳۰۴)

(۲) ایسی کئی احادیث ہیں جن میں ایک صحابیؓ نے زیادتی ذکر کی ہے اور دوسرے صحابیؓ نے ذکر نہیں فرمایا، اس بارے میں اصولِ حدیث کا یہ ضابطہ ہے کہ ثقہ راویوں کی زیادتی قابلِ قبول ہوتی ہے (مقدمہ فتح الملہم ۱/ ۱۰، شرح ابی داؤد للعینی ۳/ ۱۱۸)

(۳) اس حدیث کو اس اضافہ کے ساتھ امام احمد بن حنبلؒ، علامہ ماردینیؒ، امام نسائیؒ، ابن حزمؒ، ابن جریرؒ، ابن کثیرؒ، ابن حجرؒ، ابن قدامہؒ، ابوعوانہؒ، ابن تیمیہؒ، علامہ عینیؒ، نواب صدیق حسن خانؒ نے تسلیم کیا ہے (نصب الرایۃ مع ہامش الشیخ انور شاہ ۲/ ۱۵، مسند احمد: حدیث ابی موسیٰ الاشعری: تحقیق شعیب الارنوؤط: ۱۹۷۲۴، الجوھر النقی ۲/ ۱۵۶، فتح البیان فی مقاصد القرآن: نواب صدیق خان ۵/ ۱۱۷)

(۴) اگر حدیث میں ''خاموش رہو'' کی زیادتی نہ بھی ہو تو بھی ''امام کے ولا الضآلین کہنے پر مقتدیوں کا

آمین کہنا'' اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ ولا الضالین تک مقتدی خاموش رہیں۔(شرح الموطاللزرقانی ۱/۳۳۰۔ باب ماجاء فی التامین خلف الامام)

(۵) صحیح مسلم ہی کی ایک اور روایت میں پڑھنے کی نسبت صاف طور پر امام کی طرف ہے ''واذاقرأ'' (مسلم ۱/۳۰۴)

(۶) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی یہی حدیث مسند احمد، صحیح ابوعوانہ، ابن ماجہ، ابوداؤد، بیہقی، دارقطنی میں بھی مروی ہے۔(مسند احمد تحقیق شعیب الارنؤوط: حدیث ابی موسیٰ اشعریؓ:۱۹۷۲۳) بعض میں ذکر ہے کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو یعنی اس میں قرأت کا لفظ ہے، جو سورۃ فاتحہ اور ضم سورۃ دونوں کو شامل ہے، جبکہ بعض غیر مقلدین سورۃ فاتحہ کے وقت تو خاموش رہتے ہیں اور ضم سورۃ کے وقت قرأت کرتے ہیں یعنی قرأت کا لفظ صرف سورۃ فاتحہ پر چسپاں کرتے ہیں، کیا یہی حدیث کی اتباع ہے؟

اسی مفہوم کی حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرنے لگے تو تم خاموش رہو اور جب ولا الضآلین کہے تو آمین کہو اور جب رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو (ابن ماجہ، ابوداؤد، نسائی، مسند احمد، طحاوی، مصنف ابن ابی شیبہ؛ دیکھئے مسند احمد تحقیق شعیب الارنؤوط: مسند ابی ہریرہؓ:۸۸۸۹) شیخ البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے (مشکوۃ: تحقیق البانی:۸۲۷) اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پیروی کی تشریح فرمادی کہ امام کی قرأت کی پیروی یہ ہے کہ جب وہ قرأت کرے تو مقتدی خاموش رہیں۔

دوسری دلیل: وہ احادیث جن میں ذکر ہے کہ امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے؛

مختلف صحابہ سے یہ حدیث آئی ہے ''جس شخص کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے'' -مــن كـان لـه امام فقراءة الامام له قراءة- چنانچہ حضرت جابرؓ سے ابن ماجہ، بیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ، موطا محمد میں (دیکھئے سنن ابن ماجہ: تحقیق شعیب الانؤوط: باب اذا قرأالامام فانصتوا:۸۵۰) حضرت ابن عمرؓ سے بیہقی میں، حضرت ابن عباسؓ سے دارقطنی میں یہ روایت آئی ہے، اخیر والی روایت یہ اضافہ بھی ہے کہ چاہے وہ آہستہ آواز سے قرأت کرے یا اونچی آواز سے، اس مضمون کی حدیث کے تعلق سے شیخ البانیؒ نے لکھا ہے ابن تیمیہؒ نے فروع میں اس کو مضبوط قرار دیا ہے، (اصل صفۃ الصلاۃ نسخ القراءۃ وراء الامام ۱/۳۵۹، مسند احمد تحقیق شعیب الارنؤوط:

۱۴۶۴۳،نصب الرأیہ ۲/۱۱فصل فی القرأة،سنن دارقطنی : باب ذکر قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ امام :۱۲۵۲)یہ حدیث صاف اورصریح ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خواہ سورۃ فاتحہ ہو یاضم سورۃ ،جہری نماز ہو یا سری ،امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہوگی۔

تیسری دلیل: وہ احادیث جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے پیچھے قرأت کرنے والوں کو منع کیا؛

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر پڑھائی تو ایک شخص آپ علیہ السلام کے پیچھے سورۃ سبح اسم ربک الاعلی پڑھنے لگا،نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: پڑھنے والا کون آدمی ہے؟ ایک شخص نے کہا میں،اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: مجھے صاف محسوس ہوا کہ تم میں سے کسی نے مجھے قرأت میں الجھادیاقد ظننت ان بعضکم خا لجنیھا ای نازعنیھا کأنہ ینزع ذلک من لسانہ ، (مسلم:باب نہی الماموم عن جھرہ بالقرأة:۳۹۸)(کشف المشکل من حدیث الصحیحین لابن الجوزی ۱/۴۸۰)(مسند احمد تحقیق شعیب الارنؤوط:۱۵۹۱۴ حسن)اس حدیث میں منازعت کا لفظ بھی آیا ہے،نماز با جماعت میں قرأت امام کا حق ہے،اگر مقتدی بھی قرأت کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی نے امام کا حق چھین لیا،یہی منازعت ہے،اسی لئے بعض احادیث کے الفاظ یہ بھی ہیں:''مجھ سے قرآن چھینا جارہا ہے''(فیض الباری ۱/۲۷۶)یہ ظہر کی نماز تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابی دونوں آہستہ پڑھ رہے تھے،آہستہ پڑھنا بھی امام کو قرأت میں الجھادیتا ہے۔(فصل الخطاب:۷۹)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ظہر کی نماز پڑھائی تو ایک صاحب (آہستہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرأت کرنے لگے،نماز پوری ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیاتم میں سے کسی نے میرے ساتھ قرأت کی؟ تین دفعہ آپ علیہ السلام نے یہی سوال کیا،ایک صاحب بولے جی ہاں یارسول اللہ!میں سبح اسم ربک الاعلی پڑھ رہا تھا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا(جب ہی تو) مجھے کوئی قرآن کی قرأت میں الجھا رہا تھا،(الاثار لابی یوسف باب افتتاح الصلاة:۱۱۲،دارقطنی : باب وجوب قرأة ام الکتاب: ۱۲۳۵و۱۵۱۰باب صلاة النساء جماعة) یہ حدیث امام کے پیچھے قرأت کرنے سے صاف منع کررہی ہے، اس میں یہ نکات قابل غور ہیں:

(۱) یہ ظہر کی نماز تھی،جب سری نماز میں خاموش رہنا ہے تو جہری نماز میں خاموش رہنا بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین دفعہ پوچھنا پڑا۔

(۳) صحابہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرنے کا عمل نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ پوری جماعت میں سے صرف ایک صحابی نے قرأت کی، وہ بھی اپنے جی میں۔

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق قرأت کا لفظ استعمال کیا نہ کہ سورۃ فاتحہ کا، (جب کہ غیر مقلدین سورۃ فاتحہ کے وقت خاموش رہتے ہیں اور ضم سورۃ کے وقت قرأت کرتے ہیں)۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تین دفعہ پوچھنا یہ ثابت کرر ہا ہے کہ یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ تھا۔

(۶) عجیب بات یہ ہے کہ جس نے قرأت کی اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحسین نہیں فرمائی بلکہ تنبیہ کی۔ (وبعض النکات فی فیض الباری ۲/۲۴۲ و مابعد ہا باب وجوب قرأۃ الامام)

ایک اور حدیث حضرت جابر بن عبداللہؓ کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک شخص قرأت کرنے لگا تو اس کے بازو والے صحابی نے اسے اشارہ سے منع کیا، جب نماز ختم ہوئی تو قرأت کرنے والے شخص نے پوچھا تم نے مجھے کیوں منع کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ گفتگو سنی تو فرمایا: جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت مقتدی کی بھی قرأت شمار کی جائے گی (ابن ماجہ: تحقیق البانی: باب اذا قرأ الامام فانصتوا: ۹۱۴ حسن) شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

چوتھی دلیل: وہ احادیث جن میں ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے سے صحابۂ کرامؓ قرأت کرنے سے رک گئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہری نماز میں نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ ابھی قرأت کی ہے، ایک شخص نے کہا: ہاں اے اللہ کے رسول اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہی وجہ ہے کہ میں (دل ہی دل میں) کہہ رہا ہوں کہ کیا بات ہے آج قرآن سے میں الجھ رہا ہوں، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول سے یہ ارشاد سننے کے بعد صحابۂ کرام جہری نمازوں میں اللہ کے رسول کے پیچھے قرأت کرنے سے رک گئے (ابوداؤد: تحقیق البانی: باب من کرہ القرأۃ بفاتحۃ الکتاب: ۸۲۶) یہی حدیث موطا مالک، ابن ماجہ، ترمذی، نسائی میں بھی آئی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام ابتداء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرتے تھے،

جیسا کہ تفسیر ابن ابی حاتم میں محمد بن کعب قرظیؒ کی حدیث میں ذکر ہے کہ صحابہ کرامؓ ابتداء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تسمیہ، سورۃ فاتحہ اور ضم سورۃ سب کی قرأت کرتے تھے (ممکن ہے کہ یہ اس لئے ہوتا تھا کہ قرآن نازل ہورہا تھا تو صحابۂ کرام قرآن کو یاد رکھنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دہراتے تھے) پھر جب یہ آیت نازل ہوئی ''واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون'' تو صحابۂ کرام قرأت کرنے سے رک گئے (تفسیر ابن ابی حاتم ۵/۱۶۴۵) پھر بھی بعض صحابۂ کرام جن کو معلوم نہ تھا، وہ کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرجاتے، اسی لئے احادیث میں کبھی فجر کی نماز کا، کبھی ظہر کی نماز اور کبھی عصر کی نماز کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کرنے کی اجازت کا بھی ذکر ہے اس کے پڑھنے سے منازعت کا امکان کم تھا، ''بعد میں مکمل منع کردیا گیا'' (آثار السنن: باب فی ترک القرأۃ خلف الامام فی الصلوات کلہا ۱/۸۷)

آپ نے قرآن سے اور احادیث سے دلائل ملاحظہ کئے، جو امام کے پیچھے قرأت کرنے سے صاف منع کرتے ہیں، اس کے بعد فقہ کا تیسرا ماخذ صحابہ کا عمل اور ان کے فتوے ہیں، صحابۂ کرام کی جماعت وہ متبرک جماعت ہے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا خود راست مشاہدہ کیا، کیا ان سے بہتر کوئی اور ہوسکتا ہے؟ دیکھیں وہ امام کے پیچھے قرأت کرنے کے تعلق سے کیا کہتے ہیں:

اقوالِ صحابہ

(۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کیا اور فرمایا کاش! ایسے شخص کے منہ میں پتھر ہوں (موطا مالک: باب افتتاح الصلوۃ: ۱۲۶)

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور خاموش رہو۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے امام کے پیچھے قرأت کی وہ فطرت سے ہٹ گیا (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۸۱)

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کا بھی یہی قول ہے اور عمل بھی کہ خود بھی امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے نہ جہری نمازوں اور نہ سری نمازوں میں بلکہ فرماتے ہیں کہ ایسے آدمی کا منہ مٹی سے بھر جائے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۲۸۰۶)

(۵) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے، میری خواہش ہے کہ اس کے منہ میں آگ کا انگارہ ہو (موطا محمد: باب افتتاح الصلوۃ: ۱۲۵ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۸۲)

(۶) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سیکھنے کے لئے کہا اور جنہوں نے قرآن کو خلافتِ ابوبکر وعثمان رضی اللہ عنہما میں جمع کیا (سیر اعلام النبلاء ۲/۴۴۱ ناشر مؤسسۃ الرسالۃ ۱۹۸۵ء) جب ان سے امام کے پیچھے قرأت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؓ نے جواب دیا کہ امام کے پیچھے کچھ بھی نہیں پڑھنا چاہئے نہ جہری نمازوں میں نہ سری نمازوں میں (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۸۷)

(۷) حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم بھی امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے (نصب الرأیۃ ۲/۱۲، ۱۳)

ستر بدری صحابہ کا فتوی

امام شعبیؒ جو بہت بڑے تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر بدری صحابہ کو پایا وہ سب کے سب امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے (روح المعانی ۵/۱۴۲ سورۃ الاعراف: ۲۰۴)

تابعین و تبع تابعین میں حضرت علقمہ، سعید بن مسیّب، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، محمد بن سیرین، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالی امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے (احسن الکلام، مصنف ابن ابی شیبہ: من کرہ القرأۃ خلف الامام ۳/۳۷۹۷ تا ۳۸۲۳ ۔ مصنف عبدالرزاق: ۲۸۰۱ تا ۲۸۲۰)

ائمہ اربعہ کا موقف

اسلامی دنیا میں ہزار سال سے تمام مسلمان ان چاروں میں سے کسی ایک کی پیروی کرتے رہے ہیں، یعنی کسی بات پر ان ائمہ کا متفق ہونا اجماع اور اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک قرار پاتا ہے، لہذا ان کے خلاف قول شاذ کہلائے گا اور اسے ترک کر دیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام کے پیچھے قرأت نہ جہری نماز میں جائز ہے اور نہ سری نماز میں۔

المغنی میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ جہری اور سری دونوں نمازوں میں مقتدی پر قرأت واجب نہیں، ایک قول امام احمدؒ کا جہری نمازوں میں خاموش رہنے اور سری نمازوں میں قرأت کرنے کا بھی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی جہری نمازوں میں قرأت سے منع کرتے ہیں (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۲/۸۴۷)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی جہری نمازوں میں قرأت نہ کرنے کا ہے، عام طور سے شافعی مسلک کے تعلق سے غلط فہمی پائی جاتی ہے، کیونکہ شافعی حضرات جہری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں لیکن امام شافعیؒ کی کتاب الام میں ہے کہ ''اور ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اور امام ایسی قرأت کر رہا ہو جو سنی نہ جاتی ہو تو مقتدی ایسی نماز میں قرأت کریں، (کتاب الام ۷/۱۷۴ ابواب الصلوۃ) یعنی سنی جانے والی نمازوں میں قرأت نہ کریں، آج کل تو لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے ہر کسی کو امام کی قرأت سنائی دیتی ہے، خواہ مقتدی کتنی ہی دور کیوں نہ ہو۔

کسی امام کے ہاں قرأت واجب نہیں

اوپر جو ائمہ کے مذاہب ذکر کئے گئے اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ شاید سری نمازوں میں قرأت کرنا واجب ہو، مگر ایسی بات نہیں، چنانچہ المغنی ابن قدامہ میں امام احمد بن حنبلؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ اہلِ اسلام میں سے کسی کو بھی ہم نے یہ کہتے نہیں سنا کہ جس شخص نے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھی ہو، جس نے قرأت کی ہے اور اس کے مقتدی نے قرأت نہیں کی ہے تو اس مقتدی کی نماز نہیں ہوئی، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یہ صحابۂ کرام، یہ تابعین اور یہ تبع تابعین ہیں، یہ امام مالک ہیں اہلِ حجاز میں، یہ سفیان ثوری ہیں اہلِ عراق میں، یہ امام اوزاعی ہیں اہلِ شام میں، یہ امام لیث ہیں اہلِ مصر میں، ان میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ جس نے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھی جس نے قرأت کی تھی اور خود اس مقتدی نے قرأت نہیں کی تو اس مقتدی کی نماز باطل ہے (المغنی ابن قدامہ ۱/۴۰۴ مسئلۃ المأموم اذا سمع قرأۃ الامام) (فصل الخطاب: ۱۴۷)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا فتوی

وہ فرماتے ہیں امام کا بلند آواز سے پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ امام پڑھے اور مقتدی سنیں، اس لئے امام جہری نمازوں میں جب ولا الضآلین کہتا ہے تو مقتدی آمین کہتے ہیں اور سری نمازوں میں نہیں سنتے اس لئے وہ آمین نہیں کہتے، اگر امام بھی پڑھ رہا ہو اور مقتدی بھی پڑھ رہے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امام کو حکم دیا جارہا ہے کہ تم ایسے لوگوں کو سناؤ جو سننا نہیں چاہتے اور یہ ایسے ہی ہے کہ ایسی قوم کو وعظ کہو اور خطبہ دو جو سننے کے لئے آمادہ اور تیار نہیں، ایسی بات کہنا کھلی حماقت اور بے وقوفی ہے، جسکا شریعت مطہرہ قطعاً حکم نہیں دے سکتی، کیونکہ شریعت مقدسہ

احمقانہ باتوں اور سفاہت آمیز چیزوں کا حکم نہیں دیا کرتی، وہ اس سے وراء الوریٰ اور پاک ہے، ایک حدیث میں آیا ہے کہ ''اس شخص کی مثال جو امام کے خطبہ دیتے وقت باتیں کررہا ہو اور کسی سے محو گفتگو ہو، ایسی ہے جیسے گدھے پر کتابوں کا بوجھ لادا گیا ہو'' ایسا ہی وہ شخص بھی ہے جو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھتا ہو، یعنی جیسے گدھا کتابوں سے مستفید نہیں ہوسکتا، ایسا ہی وہ شخص جو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے، امام کی قرأت سے نفع نہیں اٹھا سکتا (الفتاوی الکبری ابن تیمیہ ۲/۲۹۴ مسئلہ القرأۃ خلف الامام) سری نمازوں کے تعلق سے بھی شیخ الاسلام لکھتے ہیں کہ عمران بن حصینؓ کی روایت میں یہ دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدیوں کو یہ حکم نہیں دیا کہ سری نمازوں میں فاتحہ یا سورۃ پڑھو، اگر ایسا ہوتا تو آپ علیہ السلام قرأت پر کبھی انکار نہ فرماتے حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار وسوال فرمایا ہے اور یہ انکار وسوال کسی خاص سورۃ کے پڑھنے پر نہیں تھا بلکہ مطلق قرأت پر تھا اسی لئے یوں فرمایا کہ کس نے قرأت کی؟ یا کون تم میں سے قاری تھا؟ اور یہ بات عادتاً معلوم ہے کہ قاری نے سبح اسم ربک یقیناً سورۃ فاتحہ کے بعد ہی پڑھی ہوگی، پس یہ دلیل ہے کہ مقتدی پر سری نمازوں میں نہ فاتحہ واجب ہے اور نہ اسکے علاوہ (مجموع الفتاوی ۲۳/۳۲۰ فصل فی اقوال العلماء فی القرأۃ خلف الامام)

علامہ انور شاہؒ کی تحقیق یہ ہے کہ: جس شخص نے سورۃ سبح اسم ربک پڑھی تھی بظاہر اس نے رکعت باندھتے ہی پڑھ لی تھی اور سورۃ فاتحہ کی قرأت نہیں کی تھی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پڑھنے پر انکار تو فرمایا مگر سورۃ فاتحہ کے پڑھنے (یا اس کے نہ پڑھنے پر نماز کے اعادہ کا) حکم نہیں فرمایا۔ (فصل الخطاب: ۷۰، ۷۶، ۱۵۱)

شیخ البانی کا فتوی

شیخ البانی کی کتاب ''صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم احادیث صحیحہ کی روشنی میں'' غیر مقلدین کے یہاں بہت مقبول ہے ہر جگہ اس کا حوالہ دیتے ہیں، انہوں نے صاف لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کا حکم نہیں دیا، موصوف نے اس کے حوالے بھی دیئے اور یہ باب باندھا کہ ''جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرنا منسوخ ہے'' (صفۃ صلوۃ النبی ۱/۹۷)

ہم نے قرآن، احادیث، فقہ، صحابہ کے فتاوی، ائمہ اربعہ کے فتاوی اور امام ابن تیمیہ اور شیخ البانی کے فتوے بھی بیان کردیئے ہیں، ان تمام میں صاف طور پر امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس کے باوجود ان تمام احادیث اور فتاوی کے خلاف غیر مقلدین کہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا ہر نماز میں فرض ہے، اس کی دلیل یہ

لوگ احادیث کے بجائے اپنے اجتہاد سے دیتے ہیں اور خود کو اہلحدیث کہلواتے ہیں۔

غیر مقلدین کی ایک مشہور دلیل

عوام الناس میں بتاتے ہیں کہ بخاری میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں، یہ روایت صحیح ضرور ہے، لیکن امام کے پیچھے قرأت کرنے پر واضح نہیں ہے، چند حقائق اس حدیث کے تعلق سے ملاحظہ ہوں:

(۱) یہ حدیث مکمل نہیں ہے، مکمل حدیث فصاعداً کے اضافہ کے ساتھ انہی حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت کی گئی ہے کہ نماز نہیں ہوتی اس شخص کی جو سورۃ فاتحہ اور اس سے زیادہ نہ پڑھا ہو (مسلم حدیث نمبر: ۳۹۴، ابو داؤد ۸۲۲، بیہقی: ۳۹۵۰، نسائی: ۹۱۱ میں) شیخ البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے (صفۃ صلوۃ النبی ۱/۳۰۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی اس حدیث کی تائید کر رہا ہے، تواتر سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سورۃ فاتحہ اور ضم سورۃ کے ساتھ قرأت کی ہے، تقریباً ۵۴ صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کی روایت کی ہے، صرف صحاح ستہ میں ۲۱ صحابہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ بھی پڑھتے تھے، یعنی جیسے سورۃ فاتحہ لازم ہے ویسے ہی ضم سورۃ بھی (دیکھئے نصب الرایۃ ۱/۳۶۳ باب صفۃ الصلوۃ اور احسن الکلام فی ترک القرأۃ خلف الامام)

(۲) امام ابن قیم اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمہما اللہ نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے "قرأ یقرأ" جب بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے " قرأت الکتاب یاقرأت سورۃ کذا " تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ صرف یہ کتاب یا یہ سورۃ پڑھی مزید کچھ نہیں پڑھا جیسے ایک حدیث میں آیا ہے "قرأ علیهم سورۃ الرحمن" یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو سورۃ رحمٰن پڑھ کر سنایا (الدر المنثور ۷/۶۹۰) مگر جب یہ فعل "ب" کے ساتھ استعمال ہو جیسے بعض احادیث میں آیا ہے کہ "یقرأ بالطور ، کان یقرأ فی الفجر بق والقرآن المجید" (مسلم: باب القرأۃ فی الصبح: ۴۵۸، ۴۶۳، ۴۶۴) ان احادیث میں "ب" کا اضافہ ہے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ نے سورۃ طور اور سورۃ ق تنہا نہیں بلکہ اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھا ہے یعنی سورۃ فاتحہ، زیرِ غور حدیثِ عبادہ رضی اللہ عنہ میں بھی بفاتحۃ الکتاب "ب" کے ساتھ ہے جس سے معلوم ہوا کہ صرف سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی جائیگی بلکہ اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھا جائے گا (فیض الباری ۲/۲۴۸ اور بدائع

الفوائد لابن القیم ۲/۷۶)

(۳) حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کی مشہور حدیث ہے جس میں بعض صحابہ نے شکایت کی تھی کہ یہ لمبی سورتیں پڑھتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مختلف چھوٹی سورتیں پڑھنے کا حکم دیا (بخاری: باب من شکا امامہ اذا طول: ۷۰۵) لیکن یہ نہیں فرمایا کہ صرف سورۃ فاتحہ پڑھ لو، اگر صرف سورۃ فاتحہ ہی پڑھنا لازم ہوتا تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام اسی کے پڑھنے کا حکم دیتے، اس سے بھی یہی نتیجہ نکلا کہ سورۃ فاتحہ اور ضم سورۃ کا ایک ہی حکم ہے، لیکن اس کے باوجود وہ حضرات جو امام کے پیچھے مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو فرض قرار دیتے ہیں وہ ضم سورۃ کے پڑھنے کو اس پر لازم نہیں کرتے، یہ فرق نا قابل فہم ہے، دلائل کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر مقتدی کے ذمہ قرأت فرض ہے تو سورۃ فاتحہ اور ضم سورۃ دونوں کی قرأت فرض ہونا چاہیے اور اگر فرض نہیں تو دونوں کی نہیں ہونا چاہئے (فیض الباری: باب وجوب القرأۃ للامام الخ ۲/۳۴۸)

(۴) بعض احادیث میں یہ اضافہ موجود ہے کہ امام کے پیچھے ہو تو سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے، چنانچہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے ناقص ہے، مگر امام کی اقتداء میں جو نماز پڑھی جائے (بیہقی: باب من قال لا یقرأ خلف الامام: ۲۸۹۹، دارقطنی: باب ذکر قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ امام: ۱۲۴۱، موطا مالک: باب ما جاء فی ام القرآن: ۲۷۶) اسی مفہوم کی احادیث حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے (الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ ۱/۱۶۳) اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ امام اور منفرد کو سورۃ فاتحہ پڑھنا ہے، لیکن مقتدی اس سے مستثنی ہے۔

(۵) بخاری کی اس حدیث کے تعلق سے امام بخاری کے شاگرد امام ترمذی نے امام احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث منفرد کے لئے ہے (فیض الباری ۲/۳۴۵، ترمذی: باب ما جاء فی ترک القرأۃ خلف الامام: ۳۱۳) اس حدیث کو سفیان بن عیینہ نے زہری سے اور زہری نے محمود بن ربیعؓ سے اور انہوں نے عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے، امام ابوداؤد نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ سفیان بن عیینہ کا قول یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق منفرد سے ہے نہ کہ مقتدی سے (ابوداؤد: باب من ترک القرأۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب: ۸۲۲) اس حدیث کے دوسرے راوی امام زہریؒ کا مسلک حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں قرأت کرنا درست نہیں (تفسیر ابن کثیر ۲/۵۳۷) اس حدیث کے تیسرے راوی محمود بن ربیعؓ نے حضرت عبادہؓ بن

صامت کے بازو میں نماز ادا کی حضرت عبادہؓ نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور محمود بن ربیعؓ نے نہیں پڑھی ،محمود بن ربیعؓ نے حضرت عبادہؓ سے پوچھا کیا آپ نے سورۃ فاتحہ پڑھی ہے؟ انہوں نے کہاہاں ! کیونکہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی (مصنف ابن ابی شیبہ:۳۷۹۱) اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ محمود بن ربیعؓ کو حضرت عبادہ بن صامتؓ کا امام کے پیچھے قرأت کرنا عجیب معلوم ہوا، یعنی صحابہ کرام کے درمیان یہ عمل موجود نہ تھا، دوسرا اہم نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے حضرت محمود بن ربیعؓ کو یہ حکم نہیں دیا کہ چونکہ تم نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی ہے اس لئے تمہاری نماز نہیں ہوئی لہذا اپنی نماز کو دہراؤ، معلوم ہوا کہ اس حدیث کے اہم راوی حضرت عبادہ بن صامتؓ اگر چہ خود سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے مگر اس کو واجب یا فرض نہیں سمجھتے تھے۔

ان تمام تشریحات کے برخلاف اس حدیث سے غیر مقلدین ،محدثین وفقہاء کی خلاف ورزی کر کے اپنے اجتہاد سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی ،خواہ اکیلے ہو یا امام کے پیچھے ،جبکہ خود ان کے ایک اہم پیشوا علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری بھی کہتے ہیں کہ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ،عبداللہ بن مبارکؒ کی طرح امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے وجوب کے قائل نہ تھے، (تحفۃ الاحوذی ۲/۲۰۳ ناشر دار الکتب العلمیہ) ۔فصل الخطاب: ۱۴۰- میں علامہ ابن تیمیہؒ کا فیصلہ لکھا گیا کہ زیر بحث مسئلہ میں نزاع تو طرفین سے ہے لیکن جو لوگ امام کے پیچھے (جہری نمازوں میں) قرأت سے منع کرتے ہیں وہ جمہورِ سلف وخلف ہے اور ان کے ہاتھ میں کتاب اللہ اور سنتِ صحیحہ ہے اور جو لوگ امام کے پیچھے مقتدی کے لئے قرأت کو واجب قرار دیتے ہیں ان کی حدیث کو ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے نیز فرمایا: خاص طور پر جہری نمازوں میں مقتدی پر سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کو واجب کہنا شاذ ہے حتی کہ امام احمدؒ نے اس کے مخالف نقطۂ نظر پر (جہری میں سورۃ فاتحہ کے واجب نہ ہونے پر) اجماع نقل کیا ہے (فصل الخطاب : ۷) علامہ موصوف نے ببانگِ دہل جہری نمازوں میں قرأت خلف الامام کو بے دلیل اور کتاب وسنت اور تعاملِ صحابہؓ کے بالکل برخلاف قرار دیا ہے (فصل الخطاب :۱۴۱) ادھر غیر مقلدین کے مذہب کی بنیاد ہی چونکہ شاذ اقوال ہوتے ہیں ،تا کہ اس کے سہارے امت میں اختلاف پیدا کیا جائے اور سلفِ صالحین سے ان کو برگشتہ کیا جائے ،اسلئے یہ بے چارے اپنے طرزِ کلام اور اندازِ استدلال سے یہ تأثر دینا چاہتے ہیں کہ نعوذ باللہ صحابہ ،تابعین ، تبع تابعین ،ائمہ اربعہ ،فقہاء ومحدثین نے احادیث کا مطلب غلط سمجھا اور چودہ سوسال بعد ان لوگوں نے صاف اور صریح احادیث کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے اجتہاد سے بالکل صحیح سمجھا ہے۔

سرکار کی آخری نماز سے فیصلہ

اختلاف کی صورت میں سب سے بہترین فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لئے کہا ،بعدازاں نماز شروع ہونے کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف میں کچھ افاقہ ہوا تو آپ علیہ السلام دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں اس حال میں تشریف لائے کہ پاؤں مبارک سے زمین پر لکیریں پڑ رہی تھیں، آپ علیہ السلام حضرت ابوبکرؓ کی دائیں جانب بیٹھ گئے اور اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ علیہ السلام کی اقتداء کر رہے تھے اور صحابہٴ کرام ،حضرت ابوبکرؓ کی ،حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت اسی جگہ سے شروع فرمائی ،جس جگہ حضرت ابوبکرؓ پہنچے تھے (ابن ماجہ: باب ماجاء فی صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ: ۱۲۳۵) بیہقی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی اس جگہ سے پڑھنا شروع کیا، جہاں تک حضرت ابوبکرؓ قرأت فرما چکے تھے (باب ماجاء فی صلوۃ المأموم قائماً: ۵۰۷۸) یہ حدیث صحیح ہے، اس کے سب راوی ثقہ ثبت اور حجت ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یا تو پوری سورۃ فاتحہ رہ گئی تھی یا اس کا اکثر حصہ رہ گیا تھا اس لئے کہ: (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم شدید بیمار تھے (۲) دو آدمیوں کے سہارے آہستہ آہستہ مسجد نبوی میں رونق افروز ہوئے (۳) حضرت ابوبکرؓ قرأت شروع کر چکے تھے (۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے قرأت کی جہاں تک حضرت ابوبکرؓ پہنچ چکے تھے ،بات بالکل واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سورۃ فاتحہ یا اسکا کچھ حصہ ضرور چھوٹ گیا تھا (فیض الباری: ذکر عدد صلواتہ علیہ السلام فی مرض موتہ ۱/۳۹۸) کیا غیر مقلدین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پر کوئی حکم لگا سکتے ہیں کہ ہوئی یا نہیں؟ (استغفر اللہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس آخری نماز کے بعد تو اب اس بات کی گنجائش نہیں رہی کہ غیر مقلدین اپنے اجتہاد کو صحیح احادیث کے مقابلے میں فوقیت دیں اور تمام لوگوں کی نمازوں کو باطل قرار دیں، ان کے اس اجتہاد سے ان کے ہی کئی فرقے اور مختلف نظریات بن گئے ہیں، (۱) ان میں سے بعض تو کہتے ہیں جس کی سورۃ فاتحہ چھوٹ گئی اس کی وہ رکعت شمار نہیں (۲) جو شخص رکوع میں آکر شامل ہوتا ہے تو ان میں سے بعض کہتے ہیں اس کو وہ رکعت ملی اور بعض کہتے ہیں نہیں ملی ،حالانکہ اجماعِ امت ہے کہ جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت پالی (فصل الخطاب :۱۲۵) ،غیر مقلدین کی عجیب صورت حال یہ ہے کہ جب امام سورۃ فاتحہ کی قرأت کرتا ہے تو خاموش رہتے ہیں

(کیونکہ قرآن کا سننا واجب ہے) لیکن جیسے ہی امام ضم سورۃ شروع کرتا ہے تو یہ حضرات سورۃ فاتحہ پڑھنا شروع کردیتے ہیں یعنی سورۃ فاتحہ کو تو قرآن میں شامل سمجھتے ہیں اور باقی ۱۱۳ سورتوں کو قرآن سے عملاً خارج کردیتے ہیں۔ اللہ تعالی ایسے اجتہاد سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے جو قرآن وحدیث، صحابہ، فقہاء ومحدثین کے خلاف ہو۔

محاکمہ یا نتیجہ

آپ نے قرآن کا حکم پڑھا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے، وہ احادیث مطالعہ کیں، جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کی قرأت کے وقت مقتدی کو خاموش رہنے کے لئے فرمایا، وہ احادیث بھی دیکھیں جن میں ذکر ہے کہ امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے، وہ احادیث بھی ملاحظہ کیں، جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے پیچھے قرأت کرنے والوں کی تحسین نہیں فرمائی بلکہ منع کیا، ایسی احادیث بھی آپ کی نظر سے گزریں جن میں ذکر ہے کہ آپ علیہ السلام کے منع کرنے پر صحابۂ کرام، امام کے پیچھے قرأت کرنے سے رک گئے، صحابہ وتابعین وتبعِ تابعین اور محدثین وفقہاء کے اقوال وفتاوی بھی دیکھے، یہاں تک کہ غیر مقلد علماء کے اقوال اور فتاوی کا بھی جائزہ لیا، ان سب کے مقابلہ میں غیر مقلدین ایک نامکمل حدیث پر اپنی طرف سے قیاس کرکے یہ کہتے ہیں کہ اس میں مقتدی بھی شامل ہیں، انصاف سے خود فیصلہ کریں کہ قیاس کو حدیث پر فوقیت دینے والے کون ہیں؟ مقلدین یا غیر مقلدین؟!

وما علینا الا البلاغ

تعارف

فقہ حنفی کے مطابق

طہارت ونماز کے مسائل

(قرآن وحدیث کی روشنی میں)

باہتمام

جناب محمد حبیب الدین صاحب

سابق لکچرار جامعۃ الملک عبدالعزیز جدہ

حال فیکلٹی نیویارک انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی

میری نگرانی میں مولانا (مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی) نے بہت سلیقہ سے یہ کام کیا ہے مسائل کو نصوص سے مدلل کیا ہے، حوالہ جات کا غیر معمولی اہتمام ہے، حدیث کی صحت و سقم اوراس کے درجے کو بیان کیا ہے، مسائل میں پائے جانے والے اختلافات کی نشاندہی بھی کی ہے، زبان عام فہم اور شستہ ہے، یہ کتاب اس لائق ہے کہ ہر عالم کے پاس ہو، ائمہ مساجد بھی اس سے فائدہ اٹھائیں، اللہ تعالی اس کتاب کو مقبولیت سے نوازے۔ آمین

حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

(صدر مفتی جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد)

ملنے کے پتے

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد شیورام پلی   فون:040-24016479

مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی مغلپورہ   فون:9704095041

ہدی بک ڈسٹری بیوٹرس پرانی حویلی   فون:040-24514892